بریلویت

حقائق کے آئینے میں

جس میں تقریباً دو سو (۲۰۰) بریلوی کتب اور رسائل سے مستند مکمل حوالہ جات اور ۲۰۵ مکمل صفحات کے فوٹو عکسوں کے ذریعے ایسے حقائق پیش کیے گئے ہیں، جن سے اکثر بریلوی علماء بھی واقف نہیں۔

اور

جن کا دفاع کسی دیانت دار بریلوی محقق کے لیے بھی مشکل ہی ہوگا۔

مصنف

پروفیسر حافظ غلام محمد میمن

پسند فرمودہ و دعائیہ کلمات

حضرت مولانا محمد ابراہیم سجاولی صاحب

الجامعۃ الاسلامیہ باب الاسلام ٹھٹھہ سندھ

بریلویت کے سب اہم
پہلوؤں پر پہلی جامع کتاب

بریلویت

حقائق کے آئینے میں

جس میں تقریباً دوسو (۲۰۰) بریلوی کتب اور رسائل سے مستند عکسی
حوالہ جات اور 54 مکمل صفحات کے فوٹو عکسوں کے ذریعے ایسے
حقائق پیش کیے گئے ہیں جن سے اکثر بریلوی علماء بھی واقف نہیں۔

اور

جس کا دفاع کسی دیانت دار بریلوی محقق کے لیے بھی مشکل ہی ہوگا۔

مصنف: پروفیسر حافظ غلام محمد میمن

ناشر: مکتبہ اصلاح و تبلیغ، حیدرآباد

کتاب	بریلویت۔ حقائق کے آئینے میں
مصنف	پروفیسر حافظ غلام محمد میمن صاحب
قانونی مشیر	آفتاب احمد شیخ (ایڈووکیٹ) الفوز ایڈووکیٹس اینڈ کمپنی، ہائی کورٹ آف سندھ
صفحات	452
فوٹو عکس والے صفحات	54
جملہ صفحات:	506
طابع:	حافظ غلام محمد میمن صاحب مکان نمبر 2970/4، صحابی کالونی، نزد قادری مسجد، حیدرآباد (سندھ)
ناشر:	مکتبہ اصلاح وتبلیغ حیدرآباد (سندھ)
ملنے کے پتے:	اقبال بک سینٹر، صدر، کراچی نور محمد کارخانہ تجارت وکتب، آرام باغ، کراچی قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی مکتبہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی نمبر 4، کراچی صابر حسین شیخ بک ایجنسی، اردو بازار، لاہور

اور ملک کے بہت سے مشہور کتب خانوں سے فوری طلب کریں۔

تقریظ

محترم حضرت مولانا محمد ابراہیم میمن سجاولی صاحب مدظلہ العالی

مہتمم وشیخ الحدیث مدرسہ باب الاسلام ٹھٹھہ (سندھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

محترم دوست پروفیسر حافظ غلام محمد میمن سے میری ملاقاتوں اور صحبتوں میں تیزی سے اضافے اور استواری کی بنیادی وجہ تو ان کی تکلف اور تصنع سے بری اور خلوص ومحبت سے بھری شخصیت ہے۔ لیکن ایک خصوصی وجہ یا خاص محرک ان کا علمی ذوق، وسیع مطالعہ، سوچ کی صحیح نہج اور عقائد کی پختگی ہے۔ بدعت کو وہ ختم نبوت سے کھلی بغاوت سمجھتے ہیں، اور بریلوی اعمال وعقائد کو وہ کفر وایمان کی سرحد پر سمجھتے ہیں، جو کبھی اس طرف اور کبھی اس طرف لیکن اکثر اس طرف ڈولتے رہتے ہیں۔

اپنی معاشی ذمہ داریوں کی وجہ سے وہ مدتوں مصروف رہ کر سند یافتہ دینی عالم تو نہیں بن سکے لیکن صبح وشام کے اوقات میں حفظ اور تجوید کے استاد نے شروع جوانی اور شروع علمی دور میں ان کو حکیم الامت حضرت علامہ مولانا اشرف علی تھانویؒ، اور لکھنؤ (بھارت) کے باوقار اور معتبر ماہوار رسالہ "الفرقان" اور اس ادارہ کی مطبوعات، اور اکابر علماء دیوبند وغیرہ، اور ان کی کتابوں سے آشنا کر کے ان کے مطالعہ کے ذوق کو صحیح سمت عطا کردی۔

ان ہی استاد مرحوم کی رہنمائی میں ان کو اس دور کے قطب الاقطاب حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجوی سے بیعت اور کافی صحبتیں بھی نصیب ہوئیں۔ بعد میں حضرت مولانا عبدالکریم قریشی بیر شریف والے سے بیعت اور ہمارے استاذ حضرت مولانا نور محمد سجاولی، بانی ومہتمم مدرسہ باب الاسلام ٹھٹھہ سے ان کے آخر دور میں طویل صحبتوں کے مواقع نصیب ہوئے، جن کی برکتوں سے ان کی سوچ اور مطالعہ کی نہج اور سمت بروقت درست رہی اور اس میں نکھار آتا رہا۔

اسلامیات، اسلامی تاریخ اور حالات ومسائل حاضرہ پر منتخب معیاری کتب ورسائل پر مشتمل ان کی ذاتی لائبریری مجھے ایک طرح سے خود مکمل نظر آئی، جس میں آئے دن مفید اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ قدیم اور ماضی قریب کی تاریخ اور دور حاضر کے ایک سے زیادہ پہلو رکھنے والے واقعات،

تفو بر تو اے .... تفو!

ہمیں افسوس ہے، کہ رد عمل میں ہمارے قلم سے کافی سخت الفاظ نکل گئے، لیکن اگر اصل کتاب کی زبان اور الزامات دیکھیں گے، تو شاید آپ بھی یہی کہیں گے اور لکھیں گے۔ ہم کو اس پر کسی معذرت کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ آخر "دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت"۔

اعلیٰ حضرت نے مجدد الف ثانیؒ سے زیادہ کام کیا

یہ سارے کڑوے پھل ان کڑوے بیجوں سے پیدا ہوئے، جو احمد رضا نے بوئے۔

یہاں تک کہ کئی بریلوی مصنف احمد رضا خان کے کام کو حضرت مجدد الف ثانیؒ سے زیادہ سمجھنے اور لکھنے لگے، اور ایسے الفاظ میں لکھنے لگے، کہ ڈاکٹر محمد مسعود کو بھی شکایت کرنی پڑی، لیکن نرم ناصحانہ انداز میں ا۔ فاضل بریلوی اور ترک موالات میں صفحہ ۳۰ پر لکھتے ہیں کہ "یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری سمجھتا ہوں، بعض حضرات، حضرت مجدد الف ثانی کی اصلاحی کوششوں کو صراحۃً و کنایۃً فاضل بریلوی کی کوششوں سے کم تر دکھانے کی کوشش کرتے ہیں، یہ رجحان غیر مؤرخانہ ہے۔ دسویں اور گیارہویں صدی ہجری کی تاریخ پاک و ہند پر جس شخص کی نظر ہے، وہ اس قسم کی کوشش نہیں کر سکتا"۔ پھر ڈاکٹر صاحب حوالوں کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے کام کی کچھ تفصیل بتاتے ہیں۔ جن کے مطابق:

الف۔ بیسیوں فرقوں کا مقابلہ حضرت مجددؒ نے تن تنہا کیا۔

ب۔ آپ کی اصلاحی کوششیں سیاسی فضا میں اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں اور اورنگزیب کے درباروں کی دینی فضاؤں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

ج۔ عہد اکبری سے اورنگزیب تک (ایک سو سال کے عرصہ میں) حکومت کے مزاج میں جو حیرت انگیز تبدیلیاں ہوئیں، وہ حضرت مجددؒ، آپ کی اولاد، اور ان کے سینکڑوں خلفاء، لاکھوں مریدوں کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھیں۔

د۔ اگر حضرت مجددؒ کا یہ کام نہ ہوتا، تو شاید پاک و ہند کے حالات مختلف ہوتے، اور یہاں کفر و باطل کا ایسا تسلط ہوتا کہ ....

ہ۔ اس کے بعد شاہ عبدالرحیم اور شاہ ولی اللہ کی علمی اور فکری تحریک نے اپنا اثر دکھایا، جو حضرت مجددؒ کی تحریک سے پوری طرح مستفاد تھی۔

فصل دہم

صفحہ ۲۸۰-۳۰۲

زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے

بریلوی اعلیٰ حضرت اور اس کی ذریت نے علم و عرفان کے کن کن آسمانوں کی تعلیم، ناموس اور کردار کو پامال کرنے کی جرأت کی۔ حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ، اس کا پورا خاندان، صاحب تفسیر بیضاوی، تفسیر ابن کثیر، تفسیر خازن، امام ابن حزم، امام ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم، علامہ عبدالحق خیر آبادی، علامہ اقبال، سر سید احمد، الطاف حسین حالی، علامہ مشرقی، مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا عبدالحامد بدایونی، عبدالقدیر بدایونی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا ظفر علی ایڈیٹر زمیندار اخبار، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا عبدالشکور لکھنوی، مولانا شبلی نعمانی، مولانا ابوالکلام آزاد، عبدالماجد دریابادی، سر سید اور سب رفقائے کار مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی، ندوۃ العلماء کا پورا ادارہ، ندوۃ المصنفین کا ادارہ، سب دیوبندی زعماء وغیرہ وغیرہ رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔

زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے

احمد رضا خان نے کیسی ہستیوں کو روندا

قارئین کرام! اس فصل میں ہم احمد رضا خان اور اس کے ساتھی بریلوی علماء کی شخصیت اور کردار کا جو پہلو دکھائیں گے، اس کے لئے اس سے پہلے والی ہماری دونوں فصلوں کو پھر ذہن میں تازہ کریں، کہ احمد رضا خان نے جو کام کیا، اس کے لئے آج کل کے بریلوی جو بھی دعوے کریں، وہ ان کی اپنی مرضی، اور ان کا اپنا معیار۔

اصل حقائق ان کے قطعی خلاف ہیں

لیکن عام زمینی حقائق اور ریکارڈ سے جو بھی حقائق سامنے آتے ہیں، وہ ہر میدان میں ان کے دعووں کے قطعی برخلاف ہیں۔ اس کی تازہ مثال ہم نے پچھلی فصل میں دکھائی اور یہاں پھر دہراتے ہیں، کہ خالص حقیقت یہ ہے کہ احمد رضا خان انیسویں صدی کی جانی پہچانی شخصیتوں میں وہ اکیلا عالم ہے، جس نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے ایک سال پہلے جنم لیا۔ بچپن میں جنگ آزادی میں حصہ لینے والے مسلم علماء اور زعماء پر مظالم خود دیکھے، اور سنے۔ اس کے بعد مسلمانوں کو مٹانے کے لئے انگریز بہادر کی سب اسکیمیں پروان چڑھتے ہوئے دیکھیں۔ انگریز پادریوں کا سیلاب دیکھا۔ انگریز کی پیدا کی ہوئی ہندو احیاء نو کی اسکیمیں پروان چڑھتی دیکھیں۔ اسلامی تعلیم کو ختم کرنے کی اسکیمیں دیکھیں۔ انگریزی علوم کی یلغار دیکھی۔ مسلمانوں کی معیشت تباہ کرنے، اور ہندو کو معاشی اور سیاسی میدان میں آگے بڑھانے کی اسکیمیں دیکھیں۔ ۱۸۸۲ء سے بلقان کی جنگ سے لے کر یورپ اور مشرق وسطی میں مسلمانوں پر مظالم، ان کے ممالک پر قبضہ، ترکی خلافت کو ختم کرنے، بیت المقدس پر قبضہ اور اس پر برطانیہ کی پارلیامنٹ میں صلیبی جنگ میں فتح کی شادمانی کی تقاریر دیکھیں، لیکن ان میں سے کسی ایک موضوع پر کوئی چار ورقی رسالہ بھی ماہر رضویات ڈاکٹر مسعود صاحب کو بھی نہیں مل سکا۔ اور اس کو بھی اپنی کتاب ''گناہ بے گناہی'' میں امام پر انگریز نوازی کے گناہ کا الزام

دھونے کے لئے جو دلائل پیش کرنے پڑے، وہ بذات خود ڈاکٹر صاحب کے تحقیقی معیار کے لئے ایک الزام بن گئے۔

ڈاکٹر صاحب نے نئے معیار اپنائے

آپ اور خود ڈاکٹر صاحب سوچیں، کہ ۱۹۷۰ء تک ڈاکٹر صاحب کا تاریخی تحقیقی معیار یہ تو نہیں تھا، کہ یہ لکھیں کہ انگریز کو جنگ عظیم اول میں ہندوستان کی بجٹ سے پندرہ سو کروڑ روپے خرچ کرنے کی اجازت اور ہندوستانی مسلمان سپاہیوں کو بیت المقدس اور عراق و شام میں گولی چلانے کی اجازت مولانا محمد علی جوہر جیسے غیور مجاہد اور ترک موالات میں شامل زعماء نے دی تھی، جس کا صلہ نہ ملنے پر انہوں نے معذرتانہ اس کو اپنا گناہ مانا اور اس کا اعتراف کیا۔ یا جیسے اس نے "فاضل بریلوی اور ترک موالات" میں صفحہ ۴۶ پر اسیر مالٹا شیخ الہند مولانا محمود الحسن پر تنقید لکھی ہے کہ "ایک ممتاز دینی عالم ہندوؤں اور سکھوں سے اتحاد کو مفید کیسے کہہ رہے ہیں"۔ حالانکہ مولانا کا اصل مقدس مقصد انگریز سے آزادی کا حصول تھا۔ زندگی بھر افغانستان ترکی اور مسلم ممالک کی مدد سے ملک کو آزاد کرا کے مسلم حکومت کے قیام کی کوششیں کیں۔ جب وہی سب ختم ہو گئے، تو اخیر دنوں میں اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آیا، کہ ملک کی تینوں بڑی قوتیں مل کر اٹھیں گی، تو چوتھا (انگریز) اس اجتماعی قوت کے سامنے ٹھہر نہیں سکے گا۔ اس کے علاوہ نہ آزادی ممکن تھی۔ اور نہ آزادی کے بعد والے نظام میں کام چلنا ممکن تھا۔

خود ڈاکٹر صاحب نے یہ سوال ہی نہیں چھیڑا، کہ اگر انگریز سے آزادی لینی تھی، چاہے دو قومی نظریہ کے تحت دو ممالک کی شکل میں، تو دونوں ممالک میں ہندو مسلم اتحاد کے بغیر اعلیٰ حضرت والے فارمولے کے تحت زندگی کیسے گذر سکتی تھی یا تقسیم کے بعد جو گذر رہی ہے، وہ ڈاکٹر صاحب کے امام احمد رضا کی پرنفرت کتاب المحجۃ کے فارمولے کے تحت گذر رہی ہے؟ یا اس پر عمل کرنے سے اس سے بہتر ہو سکتی ہے؟ خود اس کے عالم بیٹوں نے اس پر عمل کیا؟ ڈاکٹر صاحب کو یہ معیار بھی زیب نہیں دیتا، کہ جیسے اس نے بریلویوں پر اپنی پہلی ہی کتاب میں یہ الفاظ لکھے کہ "۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ نے (مولانا بریلوی کے) دو قومی نظریہ کی بنیاد پر پاکستان کا مطالبہ پیش کیا، تو علماء اہل سنت مسلک بریلوی، جو شروع سے اس نظریہ کے داعی تھے، انہوں نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حالانکہ ہر ایک بریلوی مسلک والے

نے ۱۹۴۶ء والی بنارس کانفرنس سے پہلے مسلم لیگ اور پاکستان کی بھرپور مخالفت کی، جس کا تحریری ثبوت اس دور میں لکھی ہوئی تو کتابوں کے مندرجات اور سرورقوں کے عکسوں کے ساتھ ہم پچھلی فصل میں پیش کر آئے ہیں۔ جو ڈاکٹر صاحب کو یقینا معلوم ہوں گی۔

ہر ایک بدعت مخالف عالم سے دلی کدورت تھی

بہر حال یہ تو ایک جملۂ معترضہ پچھلی فصل کی تکمیل اور اس نئی فصل کی تمہید کے طور پر یہاں آ گیا۔ ہماری اس فصل کا موضوع یہ دکھانا ہے، کہ اپنے خالص بدعتوں ہی کی اشاعت پر مبنی مسلک کو رواج دینے کے لئے احمد رضا کی یہ بنیادی ضرورت تھی، کہ ہر ایک بدعت دشمن ہستی، چاہے وہ پورے عالم اسلام میں، یا صرف اس برصغیر میں کتنی ہی بلند مانی جاتی ہو، لیکن اگر اس کی اصل شہرت کی وجہ یہ ہے، کہ ان کو بدعتوں اور غیر اسلامی رسوم و رواج میں ڈوبا ہوا معاشرہ اور ماحول ملا، اور انہوں نے ان کے خلاف سختی سے کام لے کر ان کی جڑیں کمزور بلکہ ختم کیں، تو ان کے خلاف احمد رضا خان کو دلی کدورت تھی، کچھ قد آور شخصیتوں کے خلاف بولنا، انتہائی درجہ کی حماقت ثابت ہو سکتی تھی۔ لیکن دلی کدورت بہر حال چھپا نہیں سکے۔

مثال کے طور پر

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور امام شاہ ولی اللہؒ اور اس کے فرزندان اور خاندان ایسے ہی علم و عرفان کے بلند آسمان تھے۔ جن کی عالمی شہرت اپنی جگہ مسلمہ تھی، برصغیر ہندو پاک میں ہر ایک عالم تو کیا، ایک کم علم والا بھی ان کا نام عزت سے لیتا، اور اپنی سمجھ کے مطابق ان کو ایک سند مانتا تھا۔ ہر ایک عالم کسی مسئلہ پر ان کے حوالے کو مستند دلیل مانتا تھا۔ عام بدعات، رسوم و رواج اور تصوف کے مسائل میں حضرت امام ربانی کا ہر جگہ حوالہ اور سر تسلیم خم ہم نے خود اپنے بچپن اور جوانی میں دیکھا۔ مزید تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

خصوصا حضرت امام ربانی کی شخصیت اپنے ہمہ گیر اصلاحی کام کی وجہ سے اتنی مقبول تھی، کہ ہمارے مطالعہ اور مشاہدہ کے مطابق اہل سنت والجماعت کے کسی بھی بڑے سے بڑے عالم نے اس کے خلاف کچھ بولنے کی جرأت کا تصور بھی نہ کیا ہوگا، یہ جرأت صرف احمد

رضا خان نے کی۔ آیئے دیکھیں، کہ کس طرح۔

ہزار سالہ مجدد کا ہمہ گیر اصلاحی کام

حضرت مجدد الف ثانی کے ہزار سالہ تجدیدی کام کا سارا علمی ذخیرہ اس کے مکتوبات کی تین جلدیں ہیں۔ جن میں ترتیب وار ۳۱۳، ۹۹، ۱۲۴ جملہ ۵۳۶ مکتوبات ہیں۔ یہ مکتوبات انہوں نے مختلف حکام، با اثر افراد، اپنے خلفا، معتقد افراد اور علماء کو مختلف اوقات میں ان کے سوالوں کے جوابات یا اپنی طرف سے ہدایات کی شکل میں لکھے۔ ان سے یہ حیرت انگیز حقیقت سامنے آتی ہے، کہ رسل و رسائل کے اس دور میں بھی، ملک کے ایک کونے میں بیٹھ کر یہ مجدد پورے وسیع ملک کے دینی، معاشرتی اور سیاسی حالات سے کتنا باخبر تھا، اور کیسے سب کی ڈور سنبھال کر سب کی اصلاح کر رہا تھا۔ ان ہی مکتوبات میں اس وقت کے سارے مسائل، ان کا علمی حل اور عملی اقدام، اور کئی پیچیدہ مسائل کی اصل تحقیقیں اور حل سب کچھ آ جاتا ہے۔ تصوف کے گہرے مسائل، ان میں غیر شرعی ملاوٹ، چالو بدعات اور رسوم و رواج اور اصل شرعی تعلیم، حکومت وقت اور مختلف عہدہ داران کی برائیاں، علماء سوء کی کارستانیاں اور ان سب کے اصلاح کا طریقہ کار، غرضیکہ سب کچھ ان مکتوبات میں ہی ہے۔ ان کے علاوہ کچھ خاص مسائل تصوف پر صرف چند چھوٹے چھوٹے رسائل ہیں۔

احمد رضا خان کی ایک عبارت

امام ربانیؒ پر پانچ زہریلے الزامات

لیکن دیکھئے کہ بریلویوں کا مجدد ان مکتوبات کے بارے میں ایک ہی جملہ میں کیا کہہ کر کیسے ان سب کی بنیاد پر ہی کلہاڑی مار کر، جڑ سے کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ملفوظات اعلیٰ حضرت کا محمد علی کارخانہ اسلامی کتب کراچی کا چھاپا ہوا نسخہ ہمارے سامنے ہے۔ جلد سوم صفحہ ۳۵۸ کے آخر پر سوال کے الفاظ ہیں کہ کیا مجدد الف ثانی نے کہیں حضور غوث اعظم پر اپنی تفضیل لکھی ہے۔ جواب میں (اعلیٰ حضرت نے) فرمایا ۔ ۱) "مکتوبات کی اول دو جلدوں میں تو ایسے الفاظ ملیں گے جن میں حضرت غوث اعظمؒ کی تو کیا گنتی! ۔۲)

تیسری جلد میں فرماتے ہیں، کہ جو کچھ فیوض و برکات کا مجمع ہے، وہ سب سرکار غوثیت سے ملے ہیں، نور القمر مستفاد من نور الشمس ۔۳) اسی میں لکھا ہے کہ "کیا تم سمجھتے ہو، کہ جو کچھ میں نے اگلی دو جلدوں میں کہا، وہ صحو سے کہا؟ نہیں بلکہ زیادہ و سکر ہے"۔ ۔۴) اب کوئی مجدد ی ان کے قول سے استدلال کرے، اس کو وہ جانے۔ ہم تو ایسے شیخ کے غلام ہیں، جس نے جو بتایا، صحو سے بتایا، خدا کے فرمانے سے کہا۔ ۔۵) تمام جہانوں کے شیوخ نے جو دعوے کئے ہیں، ظاہر کر دیا، کہ ہمارا سکر ہے۔ اور ایسی غلطیاں دو وجہ سے ہوتی ہیں، یا تو داخلی یا سکر"۔

قارئین کرام خود ہی اس اعلیٰ حضرتی جواب میں سمائے ہوئے خطرناک زہریلے نکتے سمجھ کر ان سے حضرت مجدد الف ثانی کے لئے احمد رضا خان کی ذہنی بغاوت کا اندازہ لگا لیں۔ یہ ایک سلسلہ وار مربوط عبارت ہے۔ جس کے پانچ جملوں میں پانچ نکات کو ہم نے خط کھینچ کر، اپنی طرف سے اوپر پانچ نمبر دیدیئے ہیں، تاکہ ہر ایک نکتہ سمجھنا آسان ہو۔

اب آیئے، ان نکات پر غور کریں۔

غرور یا خود پسندی یا عُجب کا الزام

پہلے جملے میں حضرت مجددؒ پر خود پسندی اور علمی غرور کا الزام ہے، کہ اول دو جلدوں میں ایسے الفاظ ملتے ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے، کہ وہ حضرت غوث اعظمؒ کو کسی گنتی میں نہیں لاتے تھے۔

نمبر ۲ کی ہمارے ہاں اتنی اہمیت نہیں۔ سب بزرگ اپنے پیش روؤں کا احترام ہی کیا کرتے تھے۔ البتہ احمد رضا خان نے پہلے جملے میں خود الزام لگا کر، دوسرے میں جیسے امام صاحب کا رجوع بتایا ہے، اس لئے بریلوی محققوں کو ان کی وضاحت ضروری ہے۔

امام صاحب کے سارے کام کی جڑ اکھاڑ دی

تیسرا نکتہ انتہائی خطرناک اور زہر آلود جملہ ہے۔ اس میں بغیر حوالہ کے اپنی طرف سے حضرت مجدد پر الزام لگا کر اس کی ساری تعلیم کی جڑ کاٹنے کی کوشش کی گئی ہے، کہ خود حضرت مجدد نے بھی اپنے مکتوبات کی پچھلی دو جلدوں کا سکر میں لکھا ہوا مان کر، ان کو ناقابل عمل اور

ناقابلِ اعتبار بتایا ہے۔ آپ غور کریں، کہ ان دو جلدوں میں ہی زیادہ تر اہم معاملات، وقت کے حالات کی اصلاح کی ہدایات ہیں۔ تعداد میں یہ ۵۳۶ میں سے ۴۱۲ یعنی اسی فیصد حصہ بنتے ہیں۔ اس طرح ساری محنت اور ساری تعلیم پر پانی پھر گیا۔ احمد رضا خان کا یہ خالص جھوٹ اور اپنا گھڑا ہوا جملہ ہے، کہ امام صاحب نے تیسری جلد میں پہلی دو جلدوں کا سُکر کی حالت میں لکھنا مانا ہے۔ کسی مکتوب میں یہ جملہ نہیں۔ اسی لئے احمد رضا خان نے بھی حوالہ نہیں لکھا، کہ کونسے نمبر مکتوب میں ایسی ہیر پھیر کے وہ خصوصی ماہر ہیں۔

برسوں تک لکھے گئے سب مکتوب تھا

عقلی طور پر دیکھا جائے، کہ پچیس برس تک مختلف اوقات میں، مختلف قسم کے لوگوں کو، مختلف مسائل پر جو ہدایات دی جاری تھیں، وہ سب سُکر کی حالت میں کیسے ہو سکتی ہیں! جب کہ سُکر ایک صوفی کی وہ حالت ہوا کرتی ہے، جس میں اس پر ایک خاص غلبہ طاری ہوا کرتا ہے، اور اکثر ایسے الفاظ یا ایسی تشریحات نکل جاتی ہیں، جو قابلِ اعتراض ہی ہوتی ہیں، فقہاء اگر اس کی گرفت کریں، تو ان کو غلط بھی نہیں کہا جا سکتا۔ انا الحق کا نعرہ، اور سبحانی ما اعظم شانی سُکر کی حالت کی واضح مثالیں مانی جاتی ہیں، جن پر گرفت بھی ہوئی، جو جائز مانی گئی، لیکن صوفیاء کرام اور محتاط علماء نے ان پر خاموش رہنے کی بھی تاکید کی ہے۔

اب قارئین خود فیصلہ کریں کہ، ایک جملہ میں احمد رضا خان نے کیا کیا زہر اگل کر ایک ہزار سالہ مانے ہوئے مجدد کو کس مقام پر لے آنے کی کوشش کی ہے۔ سارا کام، سارے مسائل سُکر کی ناقابلِ اعتبار حالت کی نذر ہو گئے! پوری تعلیم بے اثر ہو گئی

کوئی مجددی ہی ان سے استدلال لے

چوتھے نکتہ میں احمد رضا کا عناد اپنے عروج تک پہنچا ہے، اور یہ بلی مکمل تھیلے سے باہر آ گئی ہے، کہ ایسے بے اعتبار عالم سے استدلال لینا ہمارے جیسے کا تو کام نہیں، جو کرے، وہ خود جانے، خود اس کی اپنی ذمہ داری۔ اصل الفاظ پھر دیکھیں! اس میں ان سب بریلوی علماء اور محققین کا رد ہے، جو زمانہ سازی کے لئے، احمد رضا خان کی کسی نہ کسی طرح حضرت مجددؒ سے وابستگی، یا تقلید، یا احترام یا استدلال ثابت کر کے مجددیوں کو بھی راضی رکھنا چاہتے ہیں۔

ایسا استدلال عقل کا تو کام نہ ہوگا

حالانکہ ان کے امام بریلوی کا امام ربانی کے متعلق دلی عناد اس کا لاشعور تھا، جو یہاں چھلک پڑا۔ عملی طرح اس کا اسی پر عمل رہا۔ ہم سب محقق بریلویوں کو دعوت دیتے ہیں، کہ سر جوڑ کر بیٹھیں، اور اپنے نئے مسلک کے نئے عقائد اور نئے رسوم میں حضرت مجدد کے حوالے ڈھونڈھ کر بتائیں، کہ کن مسائل اور عقائد میں احمد رضا خان نے حضرت مجددؒ کے حوالہ جات سے استدلال کیا ہے۔ ہم نے بریلوی اعلیٰ حضرت کی اپنے مسلک، بریلوی عقائد، اور نئے نئے مسائل پر دلائل کی سب کتابیں تفصیل سے بغور پڑھی ہیں۔ ہم کو تو اس پورے لٹریچر میں دس حوالے بھی نظر نہیں آئے۔ یعنی احمد رضا خان عملی طور پر اپنے ان الفاظ پر عامل رہے کہ "اب کوئی مجددی ان کے کسی قول سے استدلال کرے، اس کو وہ جانے ہم تو ...."

تمام جہان کے شیوخ کے دعوے سُکر تھے

پانچویں نکتہ کے الفاظ ہماری سمجھ سے بالکل باہر ہیں، کہ وہ کن کن شیوخ کی طرف جاتے ہیں۔ الفاظ بظاہر بڑے ہی خطرناک ہیں، کہ "تمام جہانوں کے شیوخ نے جو دعوے کئے ہیں، (ان میں) ظاہر کر دیا ہے کہ ہمارا سُکر ہے اور ایسی غلطیاں دو وجہ سے ہوتی ہیں، ناواقفی یا سُکر۔ تمام جہان کے کن شیوخ نے اپنے کون سے دعووں کے لئے کہاں اور کس طرح یہ ظاہر کیا ہے، کہ یہ ان کا سُکر تھا، اس مبہم، لیکن بہت خطرناک جملہ کی وضاحت کوئی مجددی بریلوی ہی کر سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو پھر آگے آنے کی ضرورت ہے۔

ہمارے خیال میں تو اس سے احمد رضا نے ہر ایک کو ٹھکرا سکنے کی راہ ہموار کر لی ہے اور اکثر مسائل میں اس نے یہی کیا بھی ہے۔ حتیٰ کہ اپنے عقائد خصوصاً اولیاء اللہ سے استمداد میں پیران پیرؒ کے اصل حوالے بھی کہیں نظر نہیں آتے۔

شاہ ولی اللہؒ طائفہ وہابیہ کے عمائد میں سے

اور اپنے دھرم پر سب سے سخت تھے

پھر شاہ ولی اللہ اور ان کی خاندان کی طرف آئیں۔ بارھویں تیرھویں صدی ہجری میں

اس خاندان کی علمی اور روحانی حیثیت پورے برصغیر میں کسی بھی اختلاف سے اوپر رہی ہے۔ پورے ملک کا ہر ایک عالم اس بات کو اپنے لئے خصوصی اعزاز سمجھتا تھا، کہ اس کی حدیث کی سند اس خاندان سے ملے۔ ڈاکٹر مسعود صاحب بھی کسی طرح اپنے ممدوح امام کے لئے ایسی کوششوں میں مصروف ہیں۔ لیکن خود احمد رضا خان نے اس خاندان کو بھی نظر اندازی، اور دبے الفاظ میں زیر نشانہ رکھا۔ صرف تصوف کے چند مسائل کے سوا، باقی مسائل میں شاہ صاحب اور خاندان کا حوالہ نہیں ملے گا۔ کھلی مخالفت کی تو آسمان پر تھوکنا سمجھ کر جرأت نہ کی۔ لیکن حضرت مجدد الف ثانی کی طرح دبے الفاظ میں کافی کچھ کہہ کر باقی کام آگے والوں کے حوالے کر گئے اور ان کی ہمتیں بڑھانے کا راستہ صاف کر گئے۔

فتاویٰ رضویہ کی چوتھے جلد کے صفحہ ۱۹۰ پر ان کو طائفہ وہابیہ کے اکابر و عمائدین سے لکھا۔ اور "اوخال السنان" میں صفحہ ۹۷ پر یہ الفاظ لکھے کہ "اپنے دھرم میں سب سے محترم جناب شاہ ولی اللہ"۔ دھرم اور جناب کے زہریلے الفاظ دلی عناد کی عکاسی کے لئے کافی ہیں۔

اب کھلی گالیاں دی جانے لگی ہیں

یہ اشارہ دوسروں کے لئے اس ہستی اور خاندان پر دلیر بن کر خوب کیچڑ اچھالنے کے لئے کافی تھا۔ پہلے بات صرف وہابی سمجھ کر نظر انداز کرنے تک محدود رہی۔ اور ہر ایک اپنے کو سیدھے حوالوں سے دور رکھنے میں ہی عافیت سمجھتا تھا۔ اب نوبت یہاں تک پہنچی ہوئی ہے، کہ کھل کر گالیاں ہیں۔

ایک کچرہ کا کیڑا کیا کیا بول گیا

تازہ دور کے بریلویوں کے جادو بیان مقرر، اور مصنف، اور الم غلم قصوں کو دلائل بنا کر سب کچھ جائز بنانے کے ماہر محمد عمر اچھروی نے اپنی ان ہی مہارتوں میں مقبول کتاب "مقیاس حنفیت" میں آخر میں وہابیت کی جو تاریخ اپنی طرف سے گھڑ کر بیان کی ہے، اس میں صفحہ ۵۷۵ سے ۵۷۷ تک شاہ صاحب کے لئے جو لکھا ہے، اس کا خلاصہ اسی طرح کیا جا سکتا ہے، کہ "حج پر گئے، تو عبدالوہاب نے اس کا علمی اثر دیکھ کر خوب محنت کی اور خصوصی تربیت کی۔

واپس ہندوستان پہنچے، تو باپ کے دین سے پھر کر ابلاغ المبین، وغیرہ جیسی کتابیں انبیاء اور اولیاء کی توہین میں لکھیں۔ دہلی میں عام شور برپا ہوا، کہ ولی اللہ وہابی ہو گیا ہے۔ علماء اسلام نے متفقہ طور پر کفر کا فتویٰ صادر کیا۔ شاہ ولی اللہؒ نے اپنے نئے مذہب کا نام بدل کر اپنے استاد محمد بن عبدالوہاب کی نسبت سے محمدی رکھا۔ چند مالدار لوگ اس کے ساتھی بن گئے، کیونکہ اس نئے مذہب میں اپنے لئے آسانی دیکھی۔ عام لوگ ان کو بڑا مذہبی مجرم سمجھ کر حملہ آور بھی ہوتے تھے...... اس کسمپرسی میں اپنے آبائی وطن کو چھوڑ کر اپنے دینی وطن نجد جا کر محمد بن عبدالوہاب کے پاس رہ کر وہابیت کے مقتدر نمائندہ کی حیثیت سے وہاں قیام پذیر ہوئے۔ چنانچہ اخیر عمر میں پھر لوٹے اور محمدی مذہب پر ہی لوٹے، اور رہے۔ اسی حالت میں اپنے جانشین دو لائق بیٹے چھوڑے۔ انہوں نے اپنے دادا کا حنفی مذہب پسند کیا۔ لیکن باپ کا اثر ضرور رہتا ہے۔ کچھ نہ کچھ ولی اللہ کا رنگ چڑھا۔ جس کا علماء کرام نے کافی جواب دیا۔

اس کے بعد پھر سید اسماعیل شہید کا ذکر آتا ہے، کہ اس نے بھی شاہ ولی اللہ کی تائید میں اپنا مذہب محمدی کہلایا، اگرچہ تمام مسلمان ان کو بدعتی اور وہابی کے نام سے مدعو کرتے تھے۔ اسماعیل صاحب نے اپنے ساتھ ایک بالکل اَن پڑھ شخص سید احمد کو وہابیت میں اپنا ذاتی مدد معاون بنایا"۔

پڑھیں اور عبرت حاصل کریں

ان زعماء کے بارے میں مزید کیا کیا لکھا ہے، وہ کیسے نقل کریں! قارئین کرام سے گذارش ہے، کہ کتاب لے کر صفحہ ۵۷۳ سے ۵۸۲ تک کے صفحات خود دیکھیں، کہ امام ابن تیمیہ سے لے کر ان کے جید شاگردوں، اور پھر تازہ دیوبندیوں تک کن کن کو کس طرح کے دلائل پر، بغیر کسی حوالے کے اپنی ہی گھڑی ہوئی داستان کے طور پر کیا کیا کہا گیا ہے۔ اور اپنے ہی اندر کا کچرہ کس طرح کیسے مزہ لے لے کر دکھایا گیا ہے۔ تعجب ہے، کہ کسی کونے سے کسی بریلوی عالم اور محقق نے علمی گواہی کے طور پر آواز نہیں اٹھائی، کہ آخر شاہ صاحب کی یہ سوانح کہاں سے لی گئی۔ اور بغیر ایک بھی حوالے کے ان شیطانی الفاظ میں یہ ابلیسی الزامات، اور شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کے زعماء پر، ان کے مقام اور مرتبہ کے مقابلہ میں ایک رینگتے کیڑے کے قلم سے!

دواں محمد بن عبدالوہاب نے دیکھا کہ بڑا ذی اثر عالم ہے۔ شاہ صاحب سے بڑی محبت و وداد
اختیار کیا۔ اور اپنے عقائد سے شاہ صاحب کو ورغلانا شروع کیا۔ داناؤں نے سچ کہا ہے

صحبت بد راہ تباہ مے کند   دیگ سیاہ جامہ سیاہ مے کند

باپ کی صحبت نے شاہ صاحب کو رنگا۔ اور حرمین شریفین تک رسائی کروا دی
جس کے متعلق آپ نے کئی کتابیں لکھیں۔ دیکھئے فیوض الحرمین وغیرہ۔ نجدی کی صحبت بھی
تو رسائی بھی گئی۔ اور رنگ بھی جا رہا۔ جب واپس پہنچے تو ملک دگرگوں ہو چکی تھی اور
اپنے والد ماجد کا خلیفہ و ولایت بھی کھو بیٹھے تھے کہ والد قبلہ کے سمجھے ہوئے مریدان نے
جب جنگ آمیز کلمات بزرگوں کی شان میں سنے تو وحشت افسوس سے ملتے متعلقین ہو
گئے۔ محمد بن عبدالوہاب کے عقیدہ کی چند کتابیں بلاغ المبین وغیرہ انبیاء و اولیاء کی
زمین میں شائع کیں۔ مسلمانان ہندوستان کو چونکہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی سعی بلیغ سے حنفیت
کا رنگ پکا ہو چکا تھا۔ اور شاہ عبدالرحیم صاحب کی صحبت سے لوگ متاثر تھے۔ شاہ
صاحب کی تحریر و تقریر مسلمانوں کو بے رنگ نہ کر سکی۔ دہلی میں ایک شور برپا ہو گیا کہ
ولی اللہ وہابی ہو چکا ہے۔ چنانچہ حیات طیبہ کے صفحہ ۱۳ پر درج ہے کہ تمام علماء اسلام نے
متفقہ طور پر فتوے کفر صادر کئے تو شاہ صاحب کا جو عزت و علمی وقار تھا منتشر ہو
گیا۔ شاہ صاحب نے اپنے نئے مذہب وہابیت کی اشاعت کے واسطے اپنے خود ساختہ
حنفی کے نام کو بدل کر محمدی رکھ لیا۔ چنانچہ چند مخصوص اشخاص شاہ صاحب کے معتقد بن گئے۔
اور مذہب آسانی اور آزادی دیکھ کر پسند کر لیا۔ اور شاہ صاحب کے ہر وقت حفاظت میں
مستعد ہو گئے لیکن مسلمان شاہ صاحب کے کلمات کو انبیاء اللہ و اولیاء کرام کے برخلاف
برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اور چونکہ مسلمان فرقہ وہابیہ سے بالکل بےخبر تھے۔ اسی واسطے عوام و
خواص ان کو اسے محمدی کہتے وہابی ہی کہتے تھے۔ کیونکہ سوائے شاہ صاحب کے اور کوئی
نام شخص وہابی نہ تھا۔ لوگ اس وقت شاہ صاحب کو بڑا مذہبی مجرم سمجھ کر علماء اور مجھ نے

تھے۔ لیکن حکومت اسلامی کے انصاف سے خائف تھے۔ شاہ صاحب نے نجدی کی حالت
میں اپنے دینی وطن نجد کو آبائی وطن پر مقدم سمجھا۔ محمد بن عبدالوہاب کے پاس بطور ایک
کے معتقد رفقاء کی حیثیت میں قیام پذیر ہوئے۔ چنانچہ آخیر عمر میں جب لوٹے معمولی
مذہب کی حالت میں جب ہندوستان پھرے تو اپنے جانشین و لائق بیٹے شاہ عبدالعزیز
صاحب و شاہ رفیع الدین صاحب چھوڑ گئے۔ ان دو حضرات نے بھی اپنے دادا
کے حنفی مذہب کو پسند فرمایا۔ لیکن آبائی اثر ضرور متاثر ہوتا ہے کچھ نہ کچھ شاہ ولی اللہ
صاحب کا معمولی سا رنگ چڑھا جس کا علماء کرام نے کافی جواب دیدیا۔ ان کے بعد
۱۱۹۳ھ میں ان کے بھتیجے اسمٰعیل پیدا ہوئے۔ علم دین حاصل کیا لیکن تحریر سے بچاؤ سے
بالکل عاری تھے۔ محمد اسمٰعیل صاحب نے بھی شاہ ولی اللہ صاحب کی ایڈیشن میں اپنا مذہب
محمدی کہلوایا۔ گو تمام مسلمان ان کو حنفی اور وہابی کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ اسمٰعیل دہلوی نے
اپنے ساتھ ایک بالکل ان پڑھ شخص سید احمد بریلوی کو وہابیت کا دستی مددگار
بنا لیا۔ دہلی میں کچھ حنفیت غالب تھی۔ صاحبزادگان شاہ ولی اللہ صاحب عقیدہ احناف
کے مطابق فتوے دیتے تھے۔ چلا اسمٰعیل صاحب کی کرن گئے۔ اسمٰعیل صاحب چاہتے
تھے کہ میں وہابیت کا پرچار کھلم کھلا کروں اور اس مذہب کی اشاعت ہندوستان
میں بھی ہو۔ لیکن ان کو کوئی موقعہ نہ ملتا تھا۔ آخر کتاب التوحید مؤلفہ محمد بن عبدالوہاب
نجدی کی ترجمانی میں کتاب تقویۃ الایمان صراط مستقیم اور تنویر العینین وہابیت کی
تائید میں شائع کیں۔ لوگ سوائے چند اشخاص کے کتابیں پڑھ کر بڑے متنفر ہوئے
اور ان کے جواب میں کتابیں لکھیں۔ چنانچہ سکھ قوم حکومت مغلیہ سے باغی ہو کر
پنجاب کے حاکم بن چکے تھے۔ انہوں نے مسلمانان پنجاب پر ایسے ایسے مظالم ڈھائے
کہ خدایا تیری پناہ۔ اسمٰعیل صاحب نے سیاسی موقعہ سوچا کہ سکھوں کے برخلاف اعلان
جہاد کر کے مسلمانوں کو اپنی فوج بنا کر پنجاب فتح کیا جائے تو حکومت وہابیہ مستقل بن جائے گی

ہونے پر یہ صلہ مل رہا ہے، کہ خلافت کو بچانے کے وعدوں کی بھی دھجیاں بکھیری جا رہی ہیں۔ اسی طرح ترک موالات میں شامل مسلم زعماء پر بھی جنگ میں ہندوستانی مسلمان سپاہیوں کو بھیجنے کا الزام شرمناک بہتان ہی ہے، جو کم از کم مسعود صاحب کو زیب نہیں دیتا۔

یہ دیکھنے پر ہم بڑے افسوس اور ڈاکٹر صاحب سے معذرت کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہو رہے ہیں، کہ مشرف بہ بریلویت ہونے اور جدید میڈیا کا ہتھیار بننے کے بعد آدمی کا ذہن اور تحقیقی معیار یہ ہو جاتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!

یہ دعوے، یہ کردار!

خصوصاً جبکہ ڈاکٹر صاحب نے اسی کتاب کے حرف آغاز میں اپنی غیر جانبداری دکھانے کے لئے یہ بھی دعویٰ کیا ہے، کہ اس کے تمام اساتذہ اور متعلقین کا تعلق امام احمد رضا کے مخالفین یا ان کے مؤیدین سے رہا۔ اور احمد رضا سے تعلق ان کے اپنے مطالعہ کے بعد ہوا، اور اسی سے ''کیا سنا تھا اور کیا پایا'' کا شعور ہوا۔ تو پڑھے لکھے لوگوں کی غلط فہمیوں کو صحیح فہمیوں میں لانے کے لئے، قلم اٹھایا۔ اور اصل غرض صرف حقائق کی دنیا اور سچی تاریخی تصویر پیش کرنی ہے''۔

یہ ٹھوس دلائل ہیں؟

اب یہ قارئین کرام ہی سوچیں، کہ ڈاکٹر صاحب کو واقعی اعلیٰ حضرت کو پڑھنے اور غیر جانبداری سے پرکھنے کے بعد کیسے ٹھوس واضح حقائق سامنے آئے، جن کو اس نے حقیقت پسند قارئین کے سامنے لانا مناسب سمجھا، کہ دیکھو امام احمد رضا کا رکارڈ کتنا صاف صاف بتا رہا ہے، کہ ان پر انگریز نوازی کا الزام غیروں کی سازش ہے!

ڈاکٹر صاحب کی خیال اور تحقیق کی ندرت کو کیا کہا جائے، کہ ہر ایک کی ہر ایک خوبی اور نیکی کو کسی نہ کسی طرح اپنے اعلیٰ حضرت ہی کی جھولی میں ڈالنے کی تمنا اور بنیادی خاکہ کے کر ہی قلم اٹھاتے ہیں۔ ادھر ان کے ممدوح کی حالت یہ تھی، کہ اپنے سامنے علم و عرفان کے نہ معلوم کیسے آسمانوں کو زمین پر اپنے سے نیچے لانے کی کوششوں ہی میں زندگی گذاری۔ آگے اگلی فصل میں یہی سب کچھ دیکھیں۔

تلافی کی بھی، تو ....

اب قارئین کرام خود نتائج اخذ کریں، کہ اول تو حضرت مجددؒ کا کام کتنا وسیع اور دور رس تھا، اور اس کے مقابلہ میں احمد رضا کا اگر کچھ کام ہو بھی، تو وہ کیا نسبت رکھے گا۔ ان کو آپس میں مقابلہ کرنے کے بعد، اعلیٰ حضرت کے کام کو زیادہ بتانے والوں کے لئے ڈاکٹر صاحب کو تردید کی ضرورت پڑی بھی، تو کن ملائم الفاظ میں، کہ یہ رجحان غیر مؤرخانہ ہے۔ نہیں ہونا چاہیے۔

بقول غالب۔ تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی۔

دوسری طرف ملفوظات میں ڈاکٹر صاحب کے ممدوح احمد رضا خان نے جو خود واضح گستاخی کی، ان کو بے وقعت بے اثر بنایا اور بتایا، ان سے اپنی بے اعتنائی ظاہر کی، کہ ''اب کوئی مجددی ان کے قول سے استدلال کرے، تو اس کو وہ جانے''۔ یعنی خود حضرتؒ کو قابل استدلال ہی نہیں سمجھتے تھے۔ سارے تجدیدی کام کو منکر کہا۔ سب شیوخ کی تعلیم کو رہبانی دعوے اور منکر قرار دیا، یہ سب ڈاکٹر صاحب نے قابل توجہ، قابل اعتراض ہی نہیں سمجھا!

لیکن یہ تنقیدیں ہضم کر گئے!

آگے چلیں، تو شاہ ولی اللہ کے لئے جو احمد رضا نے لکھا، پھر دوسروں نے زبان کھولنی شروع کی، جس کا نقطۂ عروج عمر اچھروی کی اوپر دی ہوئی تحریر ہے، ان سب کو اس مؤرخ محقق، ماہر رضویات، اور صرف حقائق پیش کرنے کے دعویدار ڈاکٹر صاحب نے اس اعتراض کے لائق بھی نہ سمجھا، کہ صرف یہی لکھتے کہ ''یہ رجحان غیر مؤرخانہ ہے۔ نامناسب ہے''۔

قارئین کرام! ہم نے حضرت مجدد الفؒ ثانی اور شاہ ولی اللہ رحمہما اللہ تعالیٰ علیہم کی بریلویوں کے ہاں حیثیت کو تفصیل سے اس لئے بیان کیا، کہ گذشتہ چار صدیوں میں پورے برصغیر کی علمی دنیا پر ان ہی دو شخصیتوں کی چھاپ رہی ہے۔ اوپر پھر نگاہ ڈالیں، کہ ڈاکٹر صاحب بھی شاہ ولی اللہ کے کام کو حضرت مجدد الف ثانی کے کام کا تسلسل قرار دے رہے ہیں۔ اور اپنے اعلیٰ حضرت کی حدیث کی سند کو شاہ ولی اللہ سے ملانے کی کوشش اور فکر میں ہیں۔

پورے ولی اللّٰہی خاندان کو نکال باہر کیا

شاہ ولی اللہ صاحب کا علمی تسلسل ان کے بیٹوں شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین رحمہم اللہ تعالیٰ کے ذریعے چلا۔ ان دونوں کو بھی محمد عمر اچھروی نے نہیں بخشا۔ اس میں اہم ترین نکتہ یہ ہے، کہ برصغیر میں اس خاندان کی علمی عظمت شاہ ولی اللہ کی وجہ سے تھی۔ جب ان کو ہی پہلے احمد رضا خان نے طائفۂ وہابیہ کے اکبر و عمائد میں شمار کیا ہے اور "اپنے دھرم پر سختی سے قائم رہنے والا جناب" کہا، تو عظمت کی وہ جڑ ہی کٹ گئی۔ بعد والوں نے جو چاہا لکھا۔ اچھروی صاحب یہاں تک پہنچا کہ "تمام علماء اسلام نے ان پر متفقہ طور پر کفر کا فتویٰ دیا"۔ الفاظ پھر دیکھیں، برصغیر کے تمام علماء اسلام کا متفقہ کفر کا فتویٰ۔ اس الزام پر بھی کسی بریلوی اور آج کے محقق کے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی۔ ادھر شاہ محمد اسحاق کو بھی احمد رضا خان نے ہی فتاویٰ رضویہ جلد چہارم صفحہ ۲۵۰ پر ہندوستانی وہابیوں کا معلم ثانی قرار دیا ہے۔ اس طرح یہ سارا خاندان بریلویوں کے ہاں کیا رہا؟۔ ڈاکٹر صاحب خواہ مخواہ کوشش کر رہے ہیں، کہ اپنے اعلیٰ حضرت کی حدیث کی سند کا سلسلہ شاہ ولی اللہ سے جوڑیں۔ اس سے کیا فرق پڑے گا؟ پہلے اپنے بریلویوں کو یہ تو سمجھائیں، کہ شاہ ولی اللہ اور اس کا خاندان مسلمان تھا۔

جبکہ وہابی لفظ کا مفہوم یہ مانتے ہیں

کیونکہ خود احمد رضا خان اور اس کے بیٹے جس کو وہابی کہتے ہیں، تو ان کا واضح مطلب واپس نہ لوٹنے جیسی گمراہی اور کفر ہوتا ہے۔ کفری فتووں والی فصل میں، فتویٰ نمبر ۲۳ میں ہم نے یہ فتویٰ دکھایا ہے کہ "وہابیہ کے لئے ہدایت کی دعا فضول ہے۔ وہ بھی لوٹ کر نہیں آئیں گے"، اور "اجلی انوار الرضا" میں صفحہ ۴۴ پر ہے کہ "وہابی کا تو نام ہی فضول ہے، وہ نہ کبھی دین میں تھے، نہ کبھی ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرما چکے، کہ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے، جیسے تیر نشانہ سے"۔ جب یہ ذہنیت پیدا کی جا رہی ہو، تو پھر ان کی سند اور نسبت کی اس ذہن میں اہمیت ہی کیا رہے گی!

بیضاوی اور خازن ائمہ تفسیر نہیں

تفسیر بیضاوی کی اہمیت سے ہر ایک بریلوی عالم بھی واقف ہے۔ ان کے مدارس میں

بھی نصاب میں شامل ہے۔ لیکن چونکہ "تبیاناً لکل شیء" کی تفسیر میں اعلیٰ حضرت کا اس سے اختلاف ہے، کہ امام بیضاوی لکھتے ہیں، کہ کل شیء سے مراد دینی علوم ہیں۔ اور احمد رضا خان نے علم ما کان وما یکون کی بنیاد ہی اس آیت کو مانا ہے، تو ان کے بارے میں کیا لکھ دیا، وہ دیکھیں۔ ملفوظات جلد سوم صفحہ ۷ پر ایسے سوال کا جواب یہ دیا، کہ "قاضی بیضاوی اور خازن وغیرہ ائمہ تفسیر نہیں۔ کسی فن میں کتاب لکھنا اور بات ہے، اور امام ہونا اور بات ہے"۔ اس عبارت میں ان دو مفسروں کے ساتھ وغیرہ کا بھی لفظ ہے، یعنی جن مفسروں نے اس آیت کا مفہوم احمد رضا خان کے خلاف لکھا ہے، وہ تفسیر کے امام نہیں مانے جا سکتے۔ اس قسم کے اور بھی کئی حوالے دیے جا سکتے ہیں، کہ اپنے سے اختلاف رکھنے والے کسی امام عالم کو بھی بریلویوں کے اس امام نے تحت تنقید سے نہیں بخشا۔

ابن حزم کو ان خطابات سے نوازا

علماء متقدمین پر مزید نظر ڈالیں، کہ کن کن کو کیسے الفاظ میں نشانہ بنایا ہے۔

علامہ ابن حزم ظاہری پانچویں صدی کے جید علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ امکان کذب کے مسئلہ میں ایک عبارت کے حوالے سے احمد رضا خان نے اپنی گالیوں کی شاہکار کتاب سبحن السبوح میں صفحہ ۳۷ پر ان کے لئے یہ شائستہ الفاظ اور القاب لکھے ہیں، "ان (سید شہید) کے مقتدا ابن الحزم، فاقد العزم، فاقد الحزم، ظاہری المذہب، ردی المشرب...... تک گیا"۔ اور پھر صفحہ ۱۳۳ پر لکھتے ہیں کہ "وہابیہ کا پرانا امام ابن الحزم، ظاہر المذہب، غیر مقلد منہ بھر کر بک گیا کہ......"۔

ان متقدمین اکابر کو کس طرح رگڑا ہے!

امام ابن تیمیہ کو اکثر علماء نے صدی کا امام تسلیم کیا ہے۔ احمد رضا نے ان کو بدمذہب قرار دیا ہے۔ ان کے جید شاگرد ابن قیم کو بھی اکثر کتابوں میں امام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ احمد رضا خان نے ان کو بھی بدمذہب قرار دیا ہے۔ وجہ ظاہر ہے، کہ وہ کفر و شرک کی رسومات اور بدعات، اور ان جاہلی عقائد کے معاملہ میں وقت کے حالات کے تحت بہت سخت تھے۔ اب عام بریلوی عالم بھی ان پر تنقید میں بہت تیزی نظر آتا ہے۔ اور علم کی ابتدائی زمین

پر ابھی رینگنے کی حیثیت اور معیار والے بھی علم کے ان آسمانوں کو ہڑپ کرتے ہوئے ملیں گے۔ بدشد الفاظ تو اب ہر ایک بریلوی کی خصوصی شناخت بن ہی چکی ہے۔

برصغیر کے یہ علمی آفتاب

احمد رضا خان سے کچھ پہلے والا، اور اس کا پورا دور برصغیر کے مسلمانوں کا ہر لحاظ سے ایک انتہائی متحرک دور تھا۔ جس میں دینی، علمی، سیاسی، سماجی، معاشی ہر ایک میدان میں کام کرنے والی انتہائی معیاری شخصیات ابھریں۔ جنہوں نے اس دولتی ناؤ کو نہ صرف ڈوبنے سے بچایا، بلکہ نئی قوت دی۔ ہر ایک پہلو کو سنبھالا۔ اور انگریز بہادر کا مسلمانوں کو "ریڈ انڈین" بنانے کا منصوبہ خاک میں ملایا۔ ان میں سے کن کن شخصیتوں کو اعلیٰ حضرت اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے داد ملی، قدر کی گئی اور ان کو سراہا گیا، بریلوی محققوں کو تحقیق کرکے ان خوش نصیبوں کے نام حوالوں کے ساتھ بتانے چاہئیں۔ ہم کو تو صرف ان کی نگاہ ناز کے شہداء کی ہی لمبی فہرست نظر آتی ہے۔ اور کوئی بچا ہوا نظر نہیں آتا۔

ایک قدآور علمی شخصیت سے نوجوان احمد رضا کی گستاخانہ گفتگو

مولانا عبدالحق خیرآبادی۔ شہید کالاپانی جلیل علامہ فضل الحق خیرآبادی کے لائق فرزند اور جانشین، اور علم منطق میں اپنے باپ کی طرح سند مانے جاتے تھے۔ رامپور کے نواب کے ہاں احمد رضا خان کی ملاقات ہوئی، اور علم منطق پڑھنے کی بات ہوئی۔ مولانا خیرآبادی نے باتیں کرتے ہوئے، احمد رضا خان کی رد وہابیت کی مہم پر اعتراض کیا۔ یہاں سے دوٹوک (کسی حد تک گستاخانہ) جوابات دیئے گئے۔ مولانا نے کہا، کہ اگر یہ رویہ ہے، تو پڑھنا تو نہیں ہو سکے گا۔ احمد رضا خان نے جواباً دوٹوک الفاظ میں ارشاد فرمایا، کہ "ایسے شخص سے منطق پڑھنا اپنے علماء اہل سنت کی توہین ہوگی۔ اس لئے میں نے پہلے ہی آپ سے نہ پڑھنے کا فیصلہ کرلیا ہے"۔ اب یہ سوچیں، کہ اس وقت ایک غیر معروف نوجوان عالم کی ایک مانے ہوئے استاذ الاساتذہ کے آگے کیا حیثیت تھی۔ لیکن کس گستاخانہ طریقہ سے اس نوجوان نے اس محقق عالم کو علماء اہل سنت سے نکال باہر کیا۔ اور اس سے پڑھنے کو علماء اہل سنت کی توہین قرار دیا!

مزید جاہلانہ معیار یہ ہے، کہ ہر ایک سوانح نگار یہ واقعہ لکھتا بھی ضرور ہے، اور اس کو

اپنے اعلیٰ حضرت کی دین کے معاملہ میں غیرت مندی اور حقانی جرأت کرکے پیش کرتا ہے۔ حالانکہ تہذیب کی دنیا میں اس کو بے ادبی اور گستاخی ہی کہا جائے گا۔ دینی علم کا پہلا اہم سبق شیخ سعدی کا یہ شعر ہوتا ہے کہ "از خدا خواہیم توفیق ادب۔ بے ادب محروم گشت از فضل رب"۔ اور یہ بھی مانا ہوا ہے، کہ ہر ایک کو دوسرے سے بات کرتے وقت اس کے مرتبہ اور عمر کا لحاظ رکھنا لازم ہے۔ مشہور مقولہ بھی ہے کہ "اگر فرق مراتب نہ دانی، زندیقی"۔ اختلاف کے اظہار کے وقت مرتبہ شناسی اور ادب سے ہی تہذیب ظاہر ہوا کرتی ہے۔

اعلیٰ حضرت نے یہ ماحول پیدا کیا

لیکن بریلویوں کے اعلیٰ حضرت نے شاید ایسا جاگیردارانہ ماحول پایا تھا، جس میں ایسی جراتیں اور حاضر جوابیاں شہزادوں کی شان بھی جاتی تھیں۔ نتیجہ میں اس شہزادہ کا مزاج اس طرح پختہ بن گیا، کہ اس نے شروع ہی سے لے کر، پوری زندگی تک جب بھی اور جس سے بھی، کوئی اختلاف کیا، تو اس کی پگڑی ضرور اتاری۔ یہاں تک کہ اپنے ہم مشرب پیر بھائی علماء بدایوں اور رامپور سے ایک فروعی مسئلہ میں اختلاف ہوا، تو ان کی بھی تحقیر کی۔ کیسے کیسے الزامات، کن الفاظ میں لگائے، ان کی تفصیل ہم نے فصل ہفتم میں بیان کی ہے، اور دوسروں کے لئے جو کچھ کہنا مناسب سمجھا ہے، وہ فصل ہشتم میں دیکھ لیں۔

محلہ میں یہ تقویٰ کا ماحول پیدا کیا

حد تو یہ ہے، کہ اس بگڑے مزاج جاگیردار شہزادے نے اپنے محلے والے بچوں کو بھی تہذیب سکھانے کے لئے، خصوصی محنت سے ایک خاص ماحول پیدا کیا۔ تازہ دور کے بریلویت کے محقق اختر شاہ جہان پوری نے تازہ ۱۹۹۵ء میں "سیرت احمد رضا" میں صفحہ ۵۵ پر ایک عنوان قائم کیا ہے "اہل محلہ پر اثر"۔ اس میں لکھتا ہے، کہ اعلیٰ حضرت نے اپنے محلہ میں تقویٰ کا ایسا ماحول پیدا کر رکھا تھا، کہ کسی چھوٹے بچے کے منہ سے بھی کبھی کوئی گالی یا بد لفظ سننے میں نہیں آتا تھا۔ ان کی سب سے بڑی گالی بے دین، بدعقیدہ، وہابی، چکڑالوی، دیوبندی، غیر مقلد، نیچری، ندوی وغیرہ الفاظ ہوتے تھے"۔

واہ اختر صاحب واہ! اور واہ بریلوی تہذیب!

پڑھنے والے ایک محقق بریلوی عالم کی اپنی تہذیب اور تنقید کا معیار بھی ملاحظہ فرمائیں، کہ لکھتا ہے، کہ بھی کوئی گالی یا بدلفظ سننے میں نہیں آتا تھا۔ یعنی ان الفاظ کو بدلفظ بھی نہیں سمجھتا۔ پھر اس کو واہ واہ کی داد دیں، کہ اپنے مجدد مائۃ حاضرہ کا خوب اچھا تعارف کرایا ہے۔ محلہ کے چھوٹے بچوں کو بھی ہر وقت علمی آسمانوں کی طرف تھوک کر اپنے منہ کو ہر وقت گندہ رکھنے کا سبق سکھا دیا۔ اب وہ جوان ہوگا، تو اس کی ذہنیت کیا ہوگی؟ واقعی اثر والے غیر معیاری بدالفاظ ہوتے، تو بڑے ہونے پر اور سمجھانے پر چھوٹ ہی جاتے۔ لیکن اس مجدد صاحب نے تو یہودیوں کی طرح یہ تعصب اور پھر ان کی گھٹی میں ملا کر ان کے مزاج کا حصہ بنا لیا۔ اور پھر یہ محقق صاحب بھی اس کو تقوی کا ماحول کہہ رہے ہیں۔ اس معیار پر ایک بار پھر پڑھنے والے یہ خود سوچیں، کہ مہذب گھروں میں بچوں کو دوسروں سے اور اپنے سے بڑوں کے بارے میں بات کرنے کی کیا تہذیب سکھائی جاتی ہے، اور اعلیٰ حضرت نے کیا ماحول بنایا۔

اس کا فطری نتیجہ

اس کا فطری نتیجہ یہ نکلا، کہ اعلیٰ حضرت کے ساتھ اس کے صاحبزادوں اور ساتھیوں کا یہ عام مزاج بن گیا، کہ جب بھی کسی سے کسی مخالفت کا ذکر زبان یا قلم پر آیا، تو پھر نہ پوچھ بدزبانیاں ضرور ظاہر ہوئیں۔ جن کا کسی قدر تفصیل سے ذکر اور مثالیں ہم اس کتاب کی آٹھویں فصل میں بیان کر آئے ہیں۔

اس طرح کی ہمت افزائی سے اب یہ عام ماحول نظر آ رہا ہے، کہ ایک عام اَدھ پڑھے بریلوی مولوی کے بھی وعظ کا ایک اچھا خاصہ حصہ غیر بریلویوں پر تنقید، الزام بازی، اور بدزبانی میں گذرتا ہے۔ لعنت ملامت کے نعرے اور سیاسی غیر معیاری جلسوں جلوسوں کی طرح کی بازیاں ان کی خاص شناخت بن گئی ہیں۔ مرتد، کافر، رسول کا گستاخ، ملعون، گستاخ، بے ادب، جہنمی وغیرہ کے الفاظ تو اب کوئی برائی ہی نہیں رہی، یہ تو اب بریلوی تہذیب میں عام استعمال کے الفاظ کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ البتہ ان سے آگے کے مخصوص الفاظ سے ہی یہ شناخت اور واہ واہ شروع ہوتی ہے، کہ کیا خوب مقرر ہے، کیسا وعظ سنایا۔ کیسے منکروں کے

اپنے لئے بھی اچھا نہیں کیا

بریلوی حضرات اگر سمجھ سے کام لیں، تو عام بے راہ روی کی ان کی ہی ڈالی ہوئی یہ رسم ان کے حق میں بھی اچھی نہیں رہی، مست اندھے ہاتھی کو جنگل سے نکال کر شہر کے دشمنوں کے محلہ کا راستہ دکھانے والے کو، اسی وقت یہ بھی سوچنا چاہئے، کہ ہاتھی کو اپنے پرائے کی مستقل اپنی تمیز تو ہے نہیں، وہ ان کا رخ بھی کر سکتا ہے۔

تازہ ۲۰۰۲ء کے الیکشن میں مولانا نورانی مرحوم نے متحدہ مجلس عمل سے انتخابی اتحاد کیا۔ تو ایسے ہی مست ہاتھیوں نے کھلے چوراہوں پر، پان سگریٹ کی دکانوں پر سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے، مولانا مرحوم پر جو نعرے کسے، جو فتوے لگائے، ان کو سن کر ہم جیسوں کو بھی دکھ ہوا۔ غداری، کفر، لالچ میں بک جانا، دنیا کی خاطر دین بیچنا، رسول کے دشمنوں کے ہاتھوں میں کھیلنا، وغیرہ وغیرہ الفاظ ہر ایک سنجیدہ مہذب آدمی کو بہت بھاری لگے۔ بریلویوں کے لئے اس میں عبرت کے سامان ہیں۔ اگرچہ ہمیں اس قسم کی کوئی امید نہیں۔ تاہم اس واقعہ پر جو دلی تکلیف ہوئی، اس کا اثر ابھی تک تازہ تھا، اس لئے بے اختیار قلم سے نکل ہی گیا۔

بات کو سمیٹنا بھی ہے۔ تاہم بریلویت کی اصل حقیقت سے ناآشنا سمجھ دار لوگوں کے آگے، دونوں طبقوں کے مفتیوں کے معیار اور کردار کی مثال پیش کرنا ضروری لگتا ہے۔ بریلوی عام معیار تو آپ نے پچھلی دو فصلوں میں خوب دیکھ لیا ہے، تاہم تازہ حوالہ کے لئے ہم یہاں دو مفتیوں کا معیار پھر سامنے لاتے ہیں۔

علامہ اقبال کس بنا پر کافر بنے

پہلی مثال کی تفصیل آپ نے دوسری فصل میں دیکھی، کہ اپنے مجدد کی پیروی کرتے ہوئے، علامہ اقبال کے مجموعی کلام اور اس کی نظم "شکوہ اور جواب" کے مکمل مضمون کی بجائے صرف شکوہ کے چند شعروں کے حوالے دے کر، ان پر اعتراضات کر کے، بریلوی محدث اعظم، دیدار علی خان نے علامہ صاحب کو کافر ٹھہرا دیا، علامہ اقبال اس معیار کا جواب کیا دیتے۔ زخمی دل سے شعر نکل گئے جو "روزگار فقیر" میں بیٹھنے کے لئے اس کے داہن کر رہ گئے۔

اس پر کسی بریلوی محقق نے گرفت نہ کی، تو پھر ایک جاہل نما نوجوان عالم طاہر داناپوری نے ان کی پیروی میں کتاب تجانب اہل سنت میں صفحہ ۳۲۲ سے ۳۲۵ تک دس صفحات میں پھر سیاق و سباق سے کاٹ کر صرف ''شکوہ'' والے حصے کے چند شعروں سے علامہ صاحب کو پھر کافر بنا دیا۔ اور یہاں تک ''۔ دیا کہ ان کفروں کے باوجود بھی اگر ڈاکٹر صاحب مسلمان ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنا کوئی اسلام گھڑ لیا ہے۔

یہ ہستیاں زمین کی گردش ماننے پر کافر بنیں

اسی داناپوری صاحب نے اسی کتاب میں صفحہ ۳۴۳ پر مولانا الطاف حسین حالی، علامہ عنایت اللہ مشرقی جیسی قد آور، اور مخلص ہستیوں کے الحاد اور مرتد ہونے کی ایک دلیل یہ بھی دی ہے، کہ ''یورپ کے ملحدوں کی کاسہ لیسی کرتے ہوئے زمین کو سورج کے گرد حرکت کو مان لیا۔ حالانکہ حضور پرنور امام اور مجدد وقت احمد رضا قرآن پاک سے ثابت کر چکا ہے، کہ زمین ساکن اور مرکز ہے، اور سب سیارے اور آفتاب اس کے گرد گھوم رہے ہیں''۔ ایسے واہیات فتوے پر بھی بریلوی محقق حضرات نے پردہ پوشی ہی کی، تو نتیجہ یہ نکلا، جو ہم آپ سب نے ۱۹۶۹ء میں دیکھا، کہ جب چاند پر انسان پہنچا۔ دنیا نے ٹی وی پر اس کا مشاہدہ کیا، تو بریلویوں کے اچھے اچھے اور کافی حلقوں نے اس کو صحیح ماننے والوں پر کفر کے فتووں کی بھرمار کر دی۔ تقاریر اور مضامین میں اس کی دھوم مچائی، نتیجہ میں کئی کو اس علمی معیار پر شرمسار ہونا پڑا، اور کافی کچھ لکھنا بھی پڑا۔ (لیکن ڈاکٹر مسعود صاحب ابھی تک اپنے اعلیٰ حضرت کی اقتدا میں ہیں)۔

بریلوی فتووں کے معیار

پچھلی فصل میں ہم نے مسلم لیگ کی مخالفت میں بریلوی علماء کی مخالفت کا تحریری ریکارڈ پیش کیا ہے، کہ کن کن الفاظ میں اس پر کفر کے فتوے لگائے گئے۔ اس کو ہر جگہ مظلم لیگ لکھا گیا۔ اس کے قائدین کو کافر مرتد اور دوسرا بھی بہت کچھ کہا گیا۔ ان آٹھ رسالوں میں سب سے سخت دو رسالے ہیں، یعنی مارہرہ کے سجادہ نشین کا رسالہ الجوابات السنیہ، اور حشمت علی خان کا ''احکام نوریہ شرعیہ بر مسلم لیگ''۔ دلائل ایسے ہی ہیں، لیکن طاہر داناپوری صاحب

تجانب اہل السنت میں صفحہ ۲۸۶ پر ان کو قرآنی دلیل کی حیثیت دے کر یہ لکھتے ہیں کہ ''ان کتابوں کے دلائل کا انکار وہی کرے گا، جس کا ایمان قرآن پاک پر نہ ہوگا''۔ کہاں تازہ دور کے سیاسی مباحث، کہاں قرآنی دلائل! کیا ذہنیت وجود میں لائی گئی ہے!

اب آپ سوچیں کہ اس پورے طبقے نے کفر کے کیا ناپ، کیا دلیل بنا رکھے ہیں، مزید چاہیں تو کفری فتووں والے باب کو بھی دیکھ لیں۔

اب دوسری طرف آئیے۔ پہلے پچھلی فصل پر پھر نظر ڈال کر دیکھ لیں، کہ قائد اعظم محمد علی جناح کو بریلویوں نے کس قسم کے کفر، ارتداد اور دوسرے نازیبا الفاظ سے نوازا ہے۔ یہاں تک لکھا، کہ اس کو کافر نہ ماننے والے کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی۔

ایک حقانی مفتی کے احتیاط کی مثال

دوسری طرف دیکھئے کہ جہاں علم ہے، معیار ہے، خدا کا خوف، آخرت کے حساب و کتاب اور جوابدہی کا احساس اور یقین ہے۔ فتوے کے مسائل کی نزاکتوں کا احساس ہے۔ وہاں مخالف جماعت کا سرگرم رکن ہونے کے باوجود کیا فتویٰ دیا گیا۔

مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ مرحوم، جمعیۃ العلماء ہند کے سرگرم رکن، اور مسلم لیگ کے خلاف تھے۔ اور آخر تک اپنے اسی موقف پر قائم رہے، کہ ملک کی تقسیم مسئلہ کا حل نہیں۔ لیگ اور لیگ والوں کے کردار اور مقاصد پر بھی تنقید کی اور فتووں کے جوابوں میں لکھی۔ لیکن کہیں معیار سے نیچے نہیں آئے۔ اس کی فتووں کی کتاب ''کفایت المفتی'' حصہ نہم میں کتاب السیاسیات میں یہ سب کچھ موجود ہے۔ آپ اور بریلوی سارا باب پڑھ لیں اور موازنہ کریں۔ بات صاف ہو جائے گی۔ آپ دیکھیں گے کہ:۔

کھلی مخالفت کے باوجود نہ محمد علی جناح کو مسٹر جینا کے حقارتی نام سے یاد کیا، نہ اس کے لئے کوئی غیر معیاری لفظ لکھا۔ نہ کفر کا فتویٰ دیا، اور نہ یہ لکھا، کہ اس کو کافر نہ سمجھنے والا خود کافر ہو جائے گا اور اس کی بیوی نکاح سے نکل جائے گی۔ نہ مسلم لیگ کو مظلم لیگ کہا، اور نہ اس کے ممبر بننے اور تائید کرنے والے کو کافر کہا۔ حتیٰ کہ صفحہ ۴۳۱ پر فتویٰ نمبر ۵۳۷ دیکھئے، کہ سائل نے معتبر گواہیوں کے ساتھ بیان کیا، کہ کوئٹہ میں مسٹر جناح نے قرآن پاک کی بے حرمتی کی۔ شراب منگوا کر پی اور علماء کے شان میں گستاخی کی۔ لیکن جواب میں مفتی صاحب نے لکھا

کہ "مجھے جناح صاحب کے عقائد ذاتی طور پر معلوم نہیں، اس لئے ان کے لئے کوئی حکم لگانا مشکل ہے"۔ آگے کے سوال پر فتوے نمبر ۵۳۸ میں پھر جواب دیتے ہیں کہ "مجھے مسٹر جناح کے ذاتی خیالات اور عقائد معلوم نہیں۔ وہ فرقہ شیعہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ شیعوں کے عقائد مختلف ہیں۔ بعض گواہ اور خطا کار ہونے کے باوجود مسلمان کہے جاسکتے ہیں۔ اور بعض کو مسلمان نہیں کہا جاسکتا، مثلاً حضرت علیؓ کی الوہیت یا نبوت کے قائل، یا قرآن پاک کو صحیح اور کامل نہ ماننے والے"۔ ایسا ہی جواب نمبر ۵۳۹ میں بھی ہے۔ مسلم لیگ کے مخالف اور اس کے کام سے مایوس ہونے کے باوجود جواب نمبر ۵۴۰ میں مسلم لیگ میں کام کرنے والوں کے لئے یہ جملہ بھی لکھتے ہیں کہ "البتہ جو لوگ ان کو مخلص اور قومی فدا کار سمجھتے ہیں، وہ ان کے ساتھ کام کرنے میں معذور ہیں، ان پر گرفت نہیں"۔

اس طرح سوالات کی مختلف نوعیتیں اور مختلف طریقے، مختلف الزامات وغیرہ ہیں، لیکن محتاط خدا ترس مفتی کا قلم کہیں کسی کے کفر تک نہیں گیا۔

ہم نے اس کتاب کی دوسری فصل میں کفر کے فتوے میں احتیاط کے بارے میں اسلامی تعلیم اور متقدمین کے اقوال اور عملی نمونے تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ اس فصل پر ایک بار پھر نظر ڈالیں، اور خود فیصلہ کریں، کہ اس اہم ترین معاملے میں کون کس راہ پر ہے، اور بریلوی اندھیر کی کس سطح پر ہیں۔ اور ایک خدا ترس محتاط مفتی کا کیا معیار ہوا کرتا ہے۔

ایسے شہداء کی تفصیل اور تعداد

انجمن ارشاد المسلمین لاہور نے ۱۹۷۹ء میں مولانا مدنیؒ کی کتاب "الشہاب الثاقب مع غایۃ المامول" شائع کی، تو اس کے مقدمہ میں انوار احمد خان نے صفحہ ۱۰۰ سے ۱۳۰ تک متقدمین علماء و اکابر میں سے ۱۹، انیسویں بیسویں صدی کے مانے ہوئے جید علماء اور زعماء میں سے ۵۴، اور عوامی بہبود کے لئے قائم کی ہوئی جماعتوں اور تنظیموں میں سے ۴۰ کے نام حوالوں کے ساتھ دیے ہیں، جن کو احمد رضا سے لے کر تازہ دور کے بریلویوں نے کافر قرار دیا ہے۔ ان میں یہ قوم کے مانے ہوئے خیر خواہ عالم اور تحریک بیداری میں نمایاں کام والے حضرات بھی شامل ہیں۔

خیر آبادی سلسلہ کے خاتم جید عالم، تحریک آزادی اور خلافت و ترک موالات تحریک

کے مجاہد رکن مولانا معین الدین اجمیری، مولانا حکیم برکات احمد ٹونکی، جو مولانا عبدالحق خیر آبادی کے شاگرد اور باوقار جید عالم تھے۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی، (جو تحریک خلافت کے بانی مبانی تھے۔ اس پر احمد رضا خان نے ۱۵۱ کفری الزام لگائے، اور طویل خط و کتابت کا سلسلہ چلا، جو "الطاری الداری علی ہفوات عبدالباری" کے نام سے تین جلدوں میں شائع کی گئی۔ عجیب سلسلہ ہے، اِدھر سے بچاؤ، اُدھر سے حملوں کی بوچھاڑ)۔ تحریک خلافت اور ترک موالات میں حصہ لینے والے بدایونی ہم مشرب جید علما، عبدالماجد بدایونی اور عبدالقدیر بدایونی اور عبدالحامد بدایونی، بابائے خلافت مانے جانے والے علی برادران یعنی مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی، مولانا ظفر علی مرحوم، (جس نے اپنے اخبار زمیندار کو ایک تحریک کی شکل دی۔ اس پر بریلوی فتووں کو کتابی شکل میں لا کر ان کا نام رکھا، "سیف الجبار، علی کفر زمیندار، المعروف بہ القسورۃ علی ادوار الحمر الکفرۃ"، یعنی صرف رب جبار کی تلوار پر بھی راضی نہ ہوئے، بلکہ عنوان میں ہی گدھا کہنا بھی ضروری سمجھا گیا)۔ مولانا شبلی نعمانی، (جس نے ندوۃ المصنفین کے ذریعے اسلامی تاریخ پر بے بہا تحقیقی کتابیں قوم کے سامنے اردو میں پیش کیں۔ ان کی لافانی اور لاجواب کتاب سیرۃ النبی اور الفاروق کو ناپاک کتاب کا لقب دیا گیا)۔ مفسر قرآن اور قرآنی علوم پر بہت قیمتی تحقیقی کام کرنے والے مولانا عبدالماجد دریابادی، (جس کی انگریزی تفسیر کی شان ہی اپنی ہے۔ اس کو اکثر مرتد تھانوی کے چیلے کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے)۔ مولانا ابوالکلام آزاد، شاعر اسلام مولانا الطاف حسین حالی، ندوۃ العلماء لکھنو کا پورا ادارہ، (جس کے خلاف بقول احمد رضا کے بھی صرف ان نے ہی پچاس رسالے لکھے۔ حالانکہ اسلامی علوم، تاریخ، جدید مسائل، جدید ذہن کے شبہات، تاریخ تفسیر فقہ و حدیث و تصوف وغیرہ موضوعات پر ان کی بے بہا کتابوں کے جوڑ کی ایک بھی کتاب کسی بریلوی نے آج تک نہیں لکھی)۔ سرسید احمد اور سب رفقاء کار اور ان کی قائم کردہ مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی، وغیرہ وغیرہ۔

باقی کون اور کتنے بچے!

یہاں تک کہ ان کے نام گنوانے کی بجائے بریلویوں سے یہ سوال پوچھنا زیادہ مناسب لگتا ہے، کہ تحقیق کرکے بتائیں، کہ برصغیر کی نشاۃ ثانیہ کے اس اہم ترین دور میں

مسلمانوں کی دینی سماجی سیاسی اور معاشرتی بھلائی اور بیداری کے میدانوں میں کام کرنے والی شخصیات میں سے کون سی وہ ہیں، جو بریلوی حلقہ کی تکفیر سے بچ گئیں۔ ابھی تک ہم کو تو کوئی نظر نہیں آسکا ہے!

ان سب پر یہ فتوے بیچ بدزبانیوں کے تقریباً اسی قسم کے ادھورے حوالوں کی وجہ سے ہیں، جن کی مثال ہم نے ابھی تھوڑا پہلے علامہ اقبال پر کفر کے فتوے میں دکھائی۔ یا ایسے حوالوں سے ہیں، کہ اعلیٰ حضرت زمین کا ساکن ہونا قرآن سے ثابت کر چکے، اعلیٰ حضرت اس بارے میں یہ فیصلہ دے چکے۔ علماء حرمین کتاب حسام الحرمین میں ان کے لئے یہ لکھ چکے، سجادہ نشین مارہرہ اور مولانا حشمت علی یہ لکھ چکے۔ جب قائداعظم شیعہ ہیں، اور لوگ ان کے کردار کے بارے میں یہ مشہور ہے، تو کافر ثابت ہوا، وغیرہ وغیرہ۔

آپ فتووں والی فصل میں یہ بھی دیکھ چکے ہیں، کہ رافضی، وہابی، غیر مقلد، چکڑالوی کے لفظ کے ساتھ کفر کا لفظ جوڑ دیا گیا ہے۔ اب جس کے ساتھ یہ نام آئے گا، وہ کافر بھی نہیں، بلکہ مرتد گنا جائے گا۔ اور چونکہ مرتد ہے، اس لئے اس سے دنیوی معاملات میں غیر مسلموں والا سلوک بھی جائز نہیں ہوگا۔ اس سے نفرت لازم۔ اس کی راتیں حرام اور اولاد ولد الزنا ہوگی۔ کوئی ایسی سماجی تنظیم یا کاروباری جماعت بنائی، جس میں بریلوی دیوبندی رافضی، وہابی کی تمیز نہیں ہوگی، تو وہ بھی سب کافر اور مرتد ہو جائیں گے۔ کیونکہ یہ مرتدوں کے ساتھ اتحاد کو عیب نہیں سمجھتا۔

نتیجہ ظاہر ہے، انوار احمد صاحب کو تو صرف بڑے بڑے ناموں میں سے ستر نظر آئے۔ اگر غور سے دیکھا جائے، تو خود بریلویوں سے بھی غیر بریلویوں سے میل جول رکھنے شادی بیاہ کرنے والے، دفن کفن میں شریک ہونے والے، حرمین میں باجماعت نماز پڑھنے والے سب دین سے نکل جائیں گے، تو پھر باقی پورے برصغیر یعنی آج کل کے پاکستان بھارت اور بنگلہ دیش کے چالیس کروڑ مسلمانوں میں سے کتنے مسلمان جنت میں جانے کے لائق بچیں گے؟ یہ ان حقائق سے آگاہ ہونے والا ہر ایک اپنی معلومات کے مطابق تعداد مقرر کرے اور بتائے۔ اللہ پاک ہماری حفاظت فرمائے، وھو نعم الحفیظ۔

بریلوی محققین کو تو یہ سب کچھ نظر نہیں آیا۔ لیکن پڑھنے والوں میں سے جن کو ان اہم مقام تاریخی ہستیوں سے واقفیت حاصل ہے، وہ سوچیں، کہ ان میں کتنی ایسی ہستیاں ہیں، جن کو

سے علم و عرفان یا سماجی اور معاشرتی اور علمی خدمات کی وجہ سے اس میدان کا آسمان کہا اور مانا اور سمجھا جاتا ہے۔ جب کہ ان پر طعن کرنے والوں میں سے اکثر کی علمی اور عملی حیثیت ان کے مقابلے میں بے آب و گیاہ زمین ہی کی سی ہے۔ پھر سوچیں، کہ اس عنوان کے لئے ہمارے یہ الفاظ ہی مناسب ہو سکتے ہیں، کہ:

زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے!